عذابِ الٰہی کی مختلف شکلیں
قرآن کی روشنی میں

الطاف احمد مالانی

قرآن مجید وہ صحیفۂ ہدایت ہے جسے اس دنیا کے خالق و مالک نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے سب سے آخر میں نازل فرمایا ہے۔ یہ کتاب انسان کی صلاح و فلاح اور رشد و ہدایت کے لئے ہر پہلو سے کامل و مکمل ہے، قیامت تک پیدا ہونے والی ساری انسانیت اس کی مخاطب ہے۔ اس میں تمام مسائل کا صحیح، اطمینان بخش اور فطری حل موجود ہے۔ خواہ ان کا تعلق کسی بھی زمانے یا کسی بھی جگہ سے کیوں نہ ہو جو انسان کی ہدایت وضلالت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کے احکامات کی مکمل پیروی جہاں کامیابی کا یقینی ذریعہ ہے۔ وہیں اس سے ذرا سی بھی بے توجہی یا دوری کا نتیجہ انتہائی خطرناک اور نوعِ انسانی کے لئے نہایت ہی ناخوشگوار ہوتا ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لے کر آج تک کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے۔

قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی اور اس سے دوری کے نتیجہ میں جو بے شمار فکری اور عملی کوتاہیاں شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں میں پیدا ہو گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے ذہنوں میں عذابِ الٰہی کا ایسا تصور قائم کر لیا ہے جو کسی بھی طور پر قرآنی تصریحات سے میل نہیں کھاتا۔ ان کے نزدیک گویا ضروری ہے کہ عذابِ الٰہی بھی معجزات کی طرح خرق عادت کی شکل میں نمودار ہو۔ اور اس دنیا میں طبعی اسباب وعوامل کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس کی خلاف ورزی ہو۔ ورنہ وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن عذابِ الٰہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ اس بات کو بعید سمجھتے ہیں کہ وہی اشیاء جن سے وہ اپنی روزمرہ کی زندگی

میں مستفید ہو رہے ہیں، جن پر ان کی زندگی کا انحصار ہے۔ اور ان کے بغیر وہ چند لمحے بھی زندہ نہیں رہ سکتے، ہدایت الٰہی سے روگردانی کے نتیجے میں مشیت الٰہی کے تحت کسی بھی وقت ان کے لئے تازیانہ عذاب میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ ان عذابوں سے بار بار دوچار ہونے کے باوجود ان پر اس پہلو سے غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتی کہ کہیں یہ ہمارے اعمالِ بد کی پاداش میں ہمارے لئے عذاب کی کوئی صورت تو نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے طبعی اسباب و عوامل تلاش کر کے مطمئن ہو رہتی ہے۔ اور اس طرح ان میں اصلاح و تذکیر کا جو پہلو تھا اس سے غافل رہ جاتی ہے۔ ان کی حالت قرآن کی اس آیت کے مصداق ہے:

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ٥ (التوبہ: ۱۲۶)	کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

یا ان لوگوں کی مثال حدیث میں اس گدھے سے دی گئی ہے جس کو اس کا مالک کبھی کھول دیتا ہے اور کبھی باندھ دیتا ہے۔ لیکن اسکو کچھ پتہ نہیں کہ کیوں اس نے اس کو باندھا اور کیوں کھول دیا"۔[۱]

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب الٰہی کی ہر زمانے میں نہ تو کوئی متعین شکل رہی ہے اور نہ ہی اس کے لئے طبعی عوامل کی خلاف ورزی ضروری ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ مجرم اور گنہ گار قوموں کو اسی ماحول اور انہیں حالات میں انھیں اسباب کے ذریعہ سے عذاب سے دوچار کرتا ہے۔ جن سے وہ اپنی عام زندگی میں مستفید ہوتے تھے اور ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ چیز نہ آتی تھی کہ یہی اسباب جو آج ہمارے لئے زیست کا سامان بنے ہوئے ہیں کبھی ہمارے لئے ہلاکت کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔

عذابِ الٰہی کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ عذاب ہے جو ایسی قوم پر بھیجا جاتا ہے جس پر حجت تمام ہو چکی ہو اور اصلاحِ احوال کی امید معدوم ہو چکی ہو اور اب اس میں کسی خیر کے پنپنے کے امکانات پوری طرح ختم ہو چکے ہوں تو عذاب کے ذریعہ پوری قوم کو نیست

ونابود کر دیا جاتا ہے۔ اور صفحۂ ہستی کو اس کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا جاتا ہے۔

اس قسم کی جو مثالیں قرآن مجید نے بیان کی ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) غرق

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک اہم نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے سمندروں کو اس کے لئے مسخر فرما دیا ہے۔ لکڑی کی ایک معمولی سی کشتی کے ذریعہ وہ سمندر کی پشت پر دندناتا پھرتا ہے۔ وہ اپنے رزق کا ایک بڑا حصہ سمندری مخلوقات سے حاصل کرتا رہا ہے۔ اس سے طرح طرح کے قیمتی موتی اور آرائش وزینت کی دیگر اشیاء نکالتا ہے۔ دوسری جانب اس کے روح پرور نظارے اور خوبصورت و دلکش مناظر طبیعت انسانی کو سرور وانبساط سے ہم کنار کرتے ہیں۔ بہت زیادہ وزنی اشیاء کے نقل وحمل کے لئے آج بھی سمندر ہی کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

لیکن جب انسان سرکشی پر اتر آتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں مشیتِ الٰہی کارفرما ہوتی ہے۔ تو یہی سمندر جو ایک لمحہ قبل تک اس کے لئے نفع بخش تھا اسے ڈبو دیتا ہے اور اس کی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ اور اس الٰہی پکڑ سے اس کو رحمت الٰہی کے علاوہ کوئی اور نجات نہیں دے سکتا ہے۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا	ہم چاہیں توان کو غرق کر دیں، کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ بچائے نہ جا سکیں بس ہماری رحمت ہی ہے جو انہیں پار لگاتی ہے
(یٰس: ۴۳)	

فرعون نے جب سرکشی اختیار کی تو خدائی کا دعویدار ہوا اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی رسالت کو ماننے سے انکار کیا، بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو بحرِ قلزم میں راستہ دے کر پار کرا دیا اور اسی سمندر میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا گیا۔ قرآن نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم نعمت یاد دلاتے ہوئے بیان

فرمایا ہے:

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ٥ (البقرۃ: ۵۰)

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہارے لئے راستہ بنایا پھر اس میں سے تمہیں بخیریت گزار دیا۔ پھر وہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے فرعونیوں کو غرقاب کیا۔

ہوا

جن بنیادی اشیاء پر انسانی زندگی کا انحصار ہے ان میں سے ایک ہوا بھی ہے۔ ہر جاندار سانس کے ذریعہ اسے اپنے بدن میں داخل کرتا ہے اور اس کے ذریعہ خارج کرتا ہے اگر سانس کی یہ ڈور کٹ جائے یا سانس لینے کے لئے مناسب ہوا میسر نہ ہو تو چند لمحوں میں ایک جیتا جاگتا وجود بے جان لاشہ میں تبدیل ہو جائے۔ انسانی زندگی کے لئے ہوا غذا اور پانی سے بھی زیادہ اہم ہے۔

سمندر کی طرح اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے کے لئے مسخر فرمایا ہے ہوا بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہانک کرلے جاتی ہے اور بارش کا سبب بنتی ہے خوشگوار موسم میں جب بادِ صبا چلتی ہے تو انسان پر سرور و نشاط کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے انجن کی ایجاد سے قبل سمندری سفر اور کشتیوں کی آمد و رفت کا کلی انحصار ہوا پر ہی ہوتا تھا۔ آج بھی سمندری سفر کی خوشگواری و ناخوشگواری میں ہوا کی سازگاری کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جدید سائنس نے نباتاتی پہلو سے ہوا کے چلنے کے مختلف فوائد دریافت کئے ہیں۔ یہی ہوا مرطوب بن کر فصلوں کو نشوونما دیتی اور پروان چڑھاتی ہے۔ گرم اور خشک ہو کر ان کو پکاتی اور تیار کرتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی ہوا کے ذریعہ مہینوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کر لیا کرتے تھے[۵]۔

لیکن یہی ہوا اگر مشیت الٰہی چاہے تو انسانوں کی ہلاکت کا پیغام لے کر آتی ہے۔ قوم عاد نے جب اپنے نبی ہود علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک تیز و تند ہوا بھیجی جو مسلسل سات رات اور آٹھ دن ان پر چلتی رہی[۶]۔ اس کی زد میں جو چیز بھی

آتی وہ ہلاک ہو جاتی تھی۔[5] یہاں تک کہ قومِ عاد باوجود اپنے لحیم وشحیم طاقتور جسموں اور مضبوط اور بلند و بالا ستونوں والے گھروں کے ہلاک ہو گئے اور ان کی لاشیں ایسی بے حس و حرکت پڑی تھیں جیسے کھجور کے کھوکھلے اور بوسیدہ تنے۔[6]

اسی لئے جب تیز ہوا چلتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو جاتے اور اللہ تعالےٰ سے لو لگاتے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَ مَاھَبَّتْ رِیْحٌ قَطُّ اِلاجَثَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم عَلٰی رُکْبَتَیْہِ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رَحْمَۃً وَّ لاتَجْعَلْھَا عَذَابًا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رِیَاحًا وَلَاتَجْعَلْھَا رِیْحًا[7]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ تو اس کو رحمت کا باعث بنا اور عذاب نہ بنا۔ اے اللہ تو اسے ریاح بنا ریح (عذاب کی ہوائیں) نہ بنا۔

نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بھی اس بات کا حکم دیا کرتے تھے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرِّیْحُ مِنْ رَوْحِ اللّٰہِ تَاْتِیْ بِالرحمۃ وبالعذابِ فَلَاتَسُبُّوْھَا وَسَلُوااللّٰہ مِنْ خَیْرِھَا وَاسْتَعِیْذُوْا بِہٖ مِنْ شَرِّھَا[8]

حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہوا روح اللہ کا پرتو ہے، رحمت اور عذاب لے کر آتی ہے۔ لہٰذا تم اسے برا بھلا نہ کہو، بلکہ اللہ سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اس کے شر سے پناہ چاہو۔

آواز

آواز بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے جو اس نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔ جب تک انسان نے لکھنے پڑھنے کا فن نہیں سیکھا تھا اس وقت تک مافی الضمیر کو ادا کرنے اور باہم رابطہ کا ذریعہ صرف آواز ہی تھی۔ فنِ کتابت کی ایجاد اور آلات رسل و وسائل کتابت میں گوناگوں ترقی کے باوجود آج بھی آواز پیغام رسانی اور لوگوں کے درمیان رابطہ پیدا کرنے میں

کتابت سے زیادہ فائدہ مند اور زیادہ مستعمل ہے۔ آواز کے ذریعہ سے انسان نہ صرف مختلف جانوروں کے درمیان تمیز کرتا ہے بلکہ وہ ابنائے انسانی کے مختلف افراد کے درمیان امتیاز کا بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ سریلی، شیریں اور دل کش آواز سے انسان محظوظ ہوتا ہے۔ اور وجد میں آجاتا ہے۔ دل کش آوازوں کی پسند کی وجہ سے انسان نے مختلف آلات موسیقی اور اشعار کے لئے اوزان ایجاد کئے۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو یہی آواز انسان کے لئے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ قوم ثمود نے جب حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان کی قوم کے بدبخت عناصر نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا جو ان کے معجزہ طلب کرنے پر پتھر سے پیدا کی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سخت اور ہولناک آواز کے ذریعہ پوری قوم کو نیست و نابود کر دیا۔[۹] ان کے وہ مضبوط اور محفوظ گھر جو انھوں نے چٹانوں کو تراش تراش کر بنائے تھے، عذاب الٰہی کو روک نہ سکے[۱۰] اور نہ کوئی اور تدابیر ان کے لئے کارگر ثابت ہو سکی۔[۱۱] صرف حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے افراد اس عذاب سے نجات پا سکے۔[۱۲]

موجودہ دور میں جب کہ ہم دھماکوں اور صوتی آلودگی سے ہونے والے واقعات کا بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں، اس عذاب کی نوعیت اور اس کی ہلاکت خیزی کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ اصحاب مدین کے عذاب کی بھی یہی کیفیت تھی[۱۳] جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ	سو مدین والے بھی دور پھینکے گئے، جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے۔
(ھود: ۹۵)	

سنگباری

جس طرح ہوا کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسانے کا انتظام فرمایا جس کے ذریعہ سے اس دنیا کی ساری چہل پہل ہے۔[۱۴] رزق کا بیشتر دارومدار اسی پانی پر ہے جو بارش کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہوا کے ذریعے سے عطا فرماتا ہے۔[۱۵] پانی کے ساتھ آسمان سے کبھی اولے بھی برسنے لگتے ہیں۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو آسمان سے پتھر برسنے لگتے ہیں جس جگہ پر سنگباری ہوتی ہے وہ پوری طرح تہس نہس ہو کے رہ جاتی ہے۔ قومِ لوط کے گناہوں کا پیمانہ جب لبریز ہو گیا اور انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان لانے سے انکار کیا اور اپنی اخلاقی برائیوں میں مگن رہے یہاں تک کہ جب عذاب الہی کے فرشتے انسانی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان کے ساتھ بھی وہی کچھ کرنا چاہا جس کے وہ عادی تھے[16] اور حضرت لوط علیہ السلام کی تمام تر تعلیمات اور ان کی منت و سماجت کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔[17] تو اللہ تعالے تلپٹ ان کی بستیوں کو کر کے رکھ دیا اور ان پر ایسے پتھروں کی بارش برسائی جس پر نشان لگے ہوئے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ

(ھود: ۸۲/۸۳)

پھر جب ہمارے فیصلہ کا وقت آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے تابڑ توڑ پتھر برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔

اس سنگباری سے صرف حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے افراد ہی محفوظ رہ سکے[18] خود حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اس عذاب میں ہلاک کر دی گئیں کیونکہ اس نے اپنی قوم کی متابعت میں حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا۔[19]

کفارِ مکہ کو بھی قرآن مجید نے ان کے کفر اور ناشکری پر اس عذاب کی دھمکی سنائی ہے:

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

(بنی اسرائیل: ۶۸)

کیا تم اس بات سے بالکل بے خوف ہو کہ خدا کبھی خشکی پر ہی تم کو زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

(الملک: ۱۷)

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمانوں میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے۔

آگ کی بارش

بادل اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے۔ جو آسمان اور زمین کے درمیان بغیر کسی ظاہری سہارے کے معلق رہتا ہے۔ ہوائیں اسے دھکیل دھکیل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں۔ اور انھیں جوڑ کر اللہ تعالےٰ ان سے پانی برساتا ہے[20]۔ اسی بادل کو چھتری کی طرح بنا کر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سینا کے بے آب و گیاہ صحرا میں سایہ کا انتظام کیا تھا[21]۔ جس کے ذریعہ وہ دھوپ کی حدت اور شدت سے محفوظ رہتے تھے۔

لیکن جب اصحاب الایکہ[22] نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان سے مطالبہ کیا اگر وہ اپنے دعوٰی میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرادیں[23] تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل کے ذریعہ سے آگ کی بارش برسائی۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ — آخر کار چھتری والے دن کا عذاب ان پر آگیا

إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (الشعراء: ۱۸۹) — اور وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا۔

ان آیات کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان پر کپکپی اور سخت گرمی طاری کردی جس سے ان کی جان پر بن آئی۔ (اور دم گھٹنے لگا) لہٰذا وہ لوگ جنگل کی طرف بھاگے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ابر بھیجا جس کی وجہ سے نہ صرف انھیں دھوپ کی گرمی سے نجات ملی بلکہ اس کے سایہ میں انھیں ٹھنڈک اور لذت کا بھی احساس ہوا۔ جب ان لوگوں نے بلا بلا کر اپنی پوری قوم کو بھی اس کے نیچے جمع کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیج دی۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ذَٰلِكَ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ۔ یہی ہے چھتری والے دن کا عذاب[24]۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے ان پر سات دن تک دھوپ مسلط کردی۔ کسی بھی چیز کے ذریعہ سے انھیں اس سے راحت نہیں مل رہی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک ابر بھیجا۔ ان میں سے ایک آدمی نے جا کر اس سے سایہ حاصل کیا تو اسے ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی

اس نے اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کیا اور ساری قوم سایہ کی تلاش میں اس کے نیچے چلی گئی اس وقت ان پر آگ برسا دی گئی[۲۵] جمہور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ جن میں سے چند نمایاں نام یہ ہیں: ابن جریر طبری، فخرالدین رازی، خازن، زمخشری، بغوی، ابوالسعود، ابن کثیر، قرطبی، قاضی بیضاوی، جلالین، رشید رضا اور شیخ الہند محمود الحسن

زمین میں دھنسانا

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کے لئے جو سہولیات مہیّا کی ہیں ان میں زمین ایک نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے رہنے بسنے کے لائق بنایا۔ زمین پھاڑ کر اس کے لئے رزق کے وسائل فراہم کئے۔ نہ صرف زمین کی پشت پر بلکہ اس کے پیٹ میں بھی انسان کے فائدے کے لئے طرح طرح کی چیزیں رکھیں تاکہ انسان تلاش و جستجو سے انھیں حاصل کرے اور صحیح مصرف میں استعمال کرے۔

جس طرح زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ نے انسان کی عبرت پذیری کے لئے بہت سی نشانیاں رکھی ہیں اسی طرح زمین کو بھی عبرت کا ایک اہم سامان بنایا۔ جب انسانوں کی خود سری وسرکشی حد سے گزر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو اس زمین میں دھنسا کر اوروں کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیتا ہے۔ اس طرح کی ایک مثال قرآن نے بیان کی ہے۔ قارون نے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک فرد تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بے انتہا مال و دولت سے نوازا تھا جب اپنی مالداری پر غرور کیا اور اسے اپنی ذاتی لیاقت کا نتیجہ قرار دیا اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانوں سمیت اسے زمین میں دھنسا دیا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ (القصص: ۸۱)	آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کو آتا اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو بھی اس نوع کے عذاب کی دھمکی سنائی:

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ	کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان

بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ (الملک: ۱۶) — میں ہے تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھکولے کھانے لگے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ (بنی اسرائیل: ۶۸) — تو کیا تم اس بات سے بالکل بے خوف ہو کہ خدا کبھی خشکی پر ہی تم کو زمین میں دھنسا دے۔

پانی کی کثرت

زمین کی رونق و دلکشی اور اس پر پائے جانے والی جاندار اشیاء کی زندگی کا دار و مدار جن چیزوں پر ہے ان میں ایک اہم شئے پانی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عجیب وغریب انتظام کیا ہے۔ سمندر کا پانی سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر اوپر اٹھتا ہے۔ فضا کی ٹھنڈک سے بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر پانی بن کر اس زمین پر لوٹ آتا ہے۔ انسان اس کا بہت تھوڑا حصہ ہی روک پاتا ہے۔ بیشتر حصہ ندی نالوں کی راہ واپس سمندر پہنچ جاتا ہے۔ یا زمین کے نیچے چلا جاتا ہے پھر وقت ضرورت انسان زمین کھود کر اس کو حاصل کرتا رہتا ہے۔ جہاں پانی کی قلت سے اس کائنات کی رونق ختم ہو جاتی ہے وہیں اس کی زیادتی بھی اس دنیا کے لئے کم نقصان دہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اندازہ کے مطابق اتنا ہی پانی اتارتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے[۲۷]

بعض اوقات اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اس کی بداعمالیوں کا مزہ اس دنیا میں چکھانا چاہتا ہے تو جس طرح اس پر پانی کی تنگی کر دیتا ہے[۲۸] اسی طرح بعض قوموں کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی کثرت سے بھی ہلاک فرمایا۔

قوم نوح کے عذاب کا جو نقشہ قرآن نے کھینچا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر آسمان خوب لوٹ کر برسا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پورا آسمان چھلنی ہو گیا ہے جس سے پانی برس رہا ہے۔ دوسری جانب زمین سے بھی پانی ابلنا شروع ہو گیا اور پوری سطح زمین ایک چشمۂ آب میں تبدیل ہو گئی۔ پانی کی اتنی کثرت ہو گئی کہ وہ فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں تک جا پہنچا۔ پوری قوم اس میں ڈبو کر ہلاک کر دی گئی نہ تو ان کے بنائے ہوئے گھر ان کے کام آئے نہ اونچے اونچے ٹیلے اور بلند و بالا پہاڑ۔ صرف نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے ایک

کشتی کے ذریعہ بحکم الٰہی اس سے نجات پاسکے۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا (القمر: ۱۱-۱۴)

تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دئے۔ اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا اور یہ سارا پانی اس کام کو پورا کرنے کے لئے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا اور نوح کو ہم نے ایک تختوں اور کیلوں والی (کشتی پر) سوار کرا دیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔

پرندوں کے ذریعہ سنگ باری

پرندے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہیں۔ ان کو پرواز کرتا دیکھ کر انسان کے دل میں بھی پرواز کا شوق پیدا ہوا اور اس نے مختلف قسم کے طیارے ایجاد کئے۔ یہ کائنات ارضی کی زینت کا بڑا ذریعہ ہیں۔ ان کی سریلی آوازوں اور خوشنما رنگوں سے انسان محظوظ ہوتا ہے ان سے پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ ان کے لذیذ گوشت سے انسان اپنے رزق کا ایک بڑا حصہ حاصل کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے سینا کے بیابان میں ان پرندوں کے ذریعہ رزق عطا فرمایا[۲۹] نباتاتی نقطۂ نظر سے بھی ان کی بے شمار فوائد ہیں۔ اس کے ساتھ ان کی کمزوری اور عاجزی بھی نمایاں ہے۔ ان کی بیشتر اقسام اتنی کمزور ہوتی ہیں کہ معمولی کنکر کی چوٹ کی بھی تاب نہیں لا سکتیں اور وہی ان کی موت یا کم از کم انھیں زخمی یا معذور کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے، اور اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ ان سے ایک آدمی بھی شکم سیر نہ ہو سکے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پرندوں کا شکار کرنے سے منع کیا ہے۔[۳۰]

لیکن جب انسان اپنی حیثیت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور خدا کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر گذار ہونے کے بجائے ان پر اترانے لگتا ہے اور بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں چھوٹے چھوٹے کمزور پرندوں کے ذریعہ اس کو اس کی حیثیت یاد دلاتے ہیں۔

یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ[۳۱] نے جب کعبۃ اللہ کو مسمار کرنا چاہا اور اس کے لئے تنومند ہاتھیوں اور فوج کے ساتھ مکہ تک آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چڑیاں بھیجیں۔ جن

کے منہ اور پنجوں میں چھوٹے چھوٹے کنکر تھے۔ وہ چڑیاں ان سنگریزوں کو ان پر برساتی تھیں اور وہ جسے لگ جاتی وہ وہیں ہلاک ہو جاتا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی پوری فوج کو ہلاک کر کے داستان عبرت بنا دیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو ایک مستقل سورت میں بیان فرمایا ہے:

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ؕ اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ فِىۡ تَضۡلِيۡلٍ ۙ وَّاَرۡسَلَ عَلَيۡهِمۡ طَيۡرًا اَبَابِيۡلَ ۙ تَرۡمِيۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ فَجَعَلَهُمۡ كَعَصۡفٍ مَّاۡكُوۡلٍ ۙ (الفیل)	تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نہیں بھیجے۔ جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے جانور کا کھایا ہوا بھوسا۔

صورتوں کا بدل دیا جانا

اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو عظیم احسانات فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسے بہت خوبصورت سراپا عطا فرمایا[۳۲] اس کی شکل اپنی شکل کے مطابق پیدا کی[۳۳] اور اس کی رہنمائی کے لئے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ اسے عقل بھی عنایت فرمائی تاکہ وہ بھلے اور برے کے درمیان تمیز کرے اور اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرے جو اس کے مقام و مرتبہ کا تقاضا ہے۔ لیکن جب انسان ان نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ عقلِ سلیم کے تقاضوں سے منہ موڑ کر جانوروں کی طرح من مانی کرنے لگتا ہے اور اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرتا ہے جو اس کے مقام و مرتبہ سے فروتر ہو۔ تو غضب الٰہی جوش میں آجاتا ہے۔ اور اس کے اعمال کی پاداشں میں بسا اوقات اس کی ظاہری شکل وصورت کو تبدیل کر کے جانوروں کی طرح بنا دیا جاتا ہے

جب اصحاب السبت نے حکم خداوندی سے انحراف کیا۔ اور سبت کے دن کی حرمت کو پامال کیا تو اللہ تعالےٰ نے ان کی صورتوں کو مسخ[۳۴] کر کے بندروں کی طرح بنا دیا ہے:

فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِيۡنَ ۝	پھر جب وہ سرکشی کے ساتھ وہ کام کئے چلے گئے جس سے انھیں روکا گیا تو ہم نے کہا کہ بندر

ہو جاؤ ذلیل اور خوار۔ (الاعراف: ۱۶۶)

اسی طرح مشرکین مکہ کو ان کی بداعمالیوں پر متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انھیں چوکنا فرمایا:

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ	ہم چاہیں تو انھیں ان کی جگہ پر ہی اس طرح مسخ کرکے رکھ دیں کہ یہ نہ آگے چل سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں۔

(یٰس: ۶۷)

عذابِ الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جس سے کسی قوم کا بالکلیہ استیصال مقصود نہ ہو بلکہ وہ اس لئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو جو غفلت کی وجہ سے بداعمالیوں میں مبتلا ہیں۔ خوابِ غفلت سے چوکنا کر دیں۔ لیکن اس عذاب سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دلوں میں قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہو۔ جن کے دلوں کی کھیتی پوری طرح بنجر نہ ہو گئی ہو بلکہ وہ ان مصیبتوں کو عذاب الٰہی سمجھ کر اس کے بعد اپنی پچھلی کوتاہیوں کا ازالہ کریں اور مستقبل میں ان سے بچنے کی کوشش کریں۔

البتہ جن لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں قبول حق کی کوئی صلاحیت نہیں رہ جاتی ہے ان کے لئے یہ عذاب ایک ایسے بڑے عذاب کا پیش خیمہ ہوتے ہیں جو ان کا استیصال کرنے والا ہوتا ہے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ	اور ہم ان کو بڑے عذاب کے سوا قریب کا عذاب بھی چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔

(السجدۃ: ۲۱)

اس قسم کی مندرجہ ذیل مثالیں قرآن نے بیان کی ہیں:

۱۔ آسمانی بلائیں: جیسے طوفان، قحط سالی اور فصلوں میں کمی۔ (الاعراف ۱۳۲)

۲۔ موذی جانوروں کی کثرت۔ (ایضاً)

۳۔ اشیائے ضروریہ کا ناقابل استعمال ہو جانا (ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے

بھیجا۔ لیکن وہ دلائل کے مقابلہ میں عاجز ہو گئے۔ معجزات کے ذریعہ ان کی بے بسی اور موسیٰ وہارون کی رسالت کی تصدیق ہو گئی اس کے باوجود انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بات کو ماننے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے تو مختلف چھوٹے چھوٹے عذابوں میں مبتلا کیا، تاکہ اگر ان میں بھلائی کا ذرا سا بھی عنصر ہو تو وہ اپنی اصلاح کر لیں اور ان بداعمالیوں کو ترک کر دیں۔ لیکن جب ان تمام کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو غرق کر کے صفحۂ ہستی کو ان سے پاک کر دیا گیا۔

غرق سے پہلے ان پر جو عذاب آئے تھے قرآن نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔۔۔۔۔۔۔۔ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

(الاعراف: ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳)

ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے۔۔۔۔۔۔۔ انھوں نے موسیٰ سے کہا کہ "تو ہمیں مسحور کرنے کے لئے خواہ کوئی نشانی لے آئے، ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔" آخر کار ہم نے ان پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل چھوڑے سرسریاں پھیلائیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا یہ سب نشانیاں الگ الگ کر کے دکھائیں مگر وہ سرکشی کئے چلے گئے، اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔

ان آیات کی تفسیر میں سید التابعین حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:

حب فرعون نے موسیٰ کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان بھیجا جس سے کھیتوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ طوفان دور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بارش بند ہو گئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ قوم فرعون عذاب سے بے خوف ہو کر اپنے

عہد پر قائم نہ رہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتوں پر ٹڈی دل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے آگئی پھر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور پختہ وعدے کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم بنی اسرائیل کو ضرور آزاد کر دیں گے۔ جب یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب وعدے فراموش کر دئے۔ آخر جس وقت غلہ اٹھا کر مکانوں میں بھر لیا تو خدا کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا پھر موسیٰؑ سے دعا کرائی اور بڑے پکے عہد و پیمان کئے لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے ان کا کھانا اور پینا بے لطف کر دیا۔ مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کر دئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب کھانے یا بولنے کے لئے منہ کھولتے تو مینڈک جست کر کے منہ میں پہنچ جاتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کر دیا۔ ادھر پینے کے لئے جو پانی لینا چاہتے تھے وہی خدا کے حکم سے برتنوں میں یا منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا تھا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے۔[۳۵]

اسی قسم کی تفسیر ابن عباس، سدی، قتادہ اور علماء کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے[۳۶]

مندرجہ بالا آیات کے اس مطالعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ یہاں ہر کام اس کے طبعی اسباب و عوامل کے تحت ہی انجام پاتا ہے اور عذابِ الٰہی کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کوئی نہ کوئی متعین صورت ہی رہی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور صورت سے عذاب نہیں آسکتا اور نہ اس کے لئے طبعی اسباب و عوامل کی خلاف ورزی ہی ضروری ہے۔ بلکہ وہی اشیاء و اسباب جن سے انسان اس دنیا میں شب و روز متمتع ہو رہا ہے، جن پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اور خدا کی وہ بے حد و حساب نعمتیں جو اس پر ہر لمحہ ہو رہی ہیں۔ اگر اس کے اعمال میں انحراف پیدا ہو جائے اور وہ ان اشیاء کو غلط مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگے تو وہ اس کے لئے عذابِ الٰہی میں تبدیل ہو سکتے ہیں، وہی اشیاء جو چند لمحے پیشتر اس کے لئے حیات بخش تھیں اچانک اس کے لئے ہلاکت کا پروانہ ثابت ہوتی ہیں۔ اور نعمتیں نقمتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

لہٰذا یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ امتِ مسلمہ قرآن مجید سے اپنے روابط مستحکم کرے۔ اس سے جو غفلت برتی جا رہی ہے اسے دور کرے اور جو مہلتِ عمل ملی ہوئی ہے اسے ضائع کرنے کے بجائے صحیح ڈھنگ سے استعمال کرے اور اپنے آپ کو عذاب الٰہی کی گرفت سے بچانے کی کوشش کرے۔

حواشی و حوالہ جات

۱ اصلاحی امین احسن، تزکیۂ نفس۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۹۹۰ء ج ۱ ص ۱۲۴

۲ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں جہاں فرعون کو توحید کی دعوت دینا تھا۔ وہیں بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے چھٹکارا دلا کر آزاد کرانا بھی ان کے پیغمبرانہ منصب میں شامل تھا۔ ملاحظہ ہو: سورۃ الاعراف: ۱۰۵، ۱۲۵، سورۃ الشعراء: ۱۷

۳ سورۃ السبا: ۱۲، سورۃ ص: ۳۶ ۴ سورۃ الحاقہ: ۶

۵ سورۃ الذاریات: ۴۲، سورۃ الاحقاف ۲۵ ۶ سورۃ الحاقہ: ۷

۷ التبریزی ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، کتب خانہ رشیدیہ ص ۱۳۲

۸ السجستانی ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما یقول اذا ہاجت الریاح

۹ القمر: ۳۱۔ قوم ثمود پر عذاب کے سلسلے میں قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کئے ہیں۔ الصیحۃ الصاعقۃ، الرجفۃ، ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ یہ ایک زوردار چیخ تھی جسے سن کر نہ صرف قوم ثمود کی جان نکل گئی اور وہ ہلاک ہوگئے بلکہ ان کے گھروں کی بنیادیں بھی ہل گئیں۔ دیکھئے: تفسیر المنار جلد ۱۲ ص ۱۵۰ مطبعۃ المنار بمصر ۱۹۲۹ء، الزمخشری، جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الخوارزمی، تفسیر الکشاف، مطبعۃ مصطفٰے البابی بمصر ۱۹۷۲ء جلد ۲ ص ۹۱

۱۰ سورۃ الحجر: ۸۲، ۸۴ ۱۱ سورۃ الذاریات: ۴۵۔

۱۲ سورۃ ہود: ۶۶ ۱۳ القرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب ۱۹۸۷ء، ج ۹ ص ۹۲، الزمخشری جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الخوارزمی تفسیر الکشاف، مطبعۃ مصطفٰے البابی بمصر ۱۹۷۲ء جلد ۲، ص ۹۱۔ السید محمد رشید رضا

تفسیر المنارج ۳ ص ۱۵۰ ۱۴ سورۃ الانبیاء: ۳۰

۱۵ سورۃ البقرۃ:۲۲، سورۃ ابراہیم: ۲۲۔ بعض مقامات پر قرآن نے پانی کو رزق سے بھی تعبیر کیا ہے۔ سورۃ الجاثیہ: ۵ ۱۶/۱۷ سورۃ ہود: ۷۷،۸۰، سورۃ الحجر: ۶۷، ۷۲

۱۸ سورۃ القمر: ۳۴، سورۃ الشعراء: ۱۷۰ ۱۹ سورۃ الحجر: ۶۰، سورۃ التحریم: ۱۰، سورۃ الاعراف: ۸۳

۲۰ سورۃ النور: ۴۳ ۲۱ سورۃ البقرۃ: ۵۷، سورۃ الاعراف: ۱۷۱

۲۲ حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت دو قوموں کی طرف ہوئی (۱) اصحاب مدین (۲) اصحاب الایکہ الزمخشری، الکشاف ج ۲ ص ۲۹۶، القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۱۲۷

۲۳ سورۃ الشعراء: ۱۸۷ ۲۴ الدمشقی اسماعیل بن کثیر مطبعۃ مصطفیٰ محمد بمصر ۱۹۲۷ء ج ۲ ص ۲۴۷ ۲۵ ایضاً

۲۶ سورۃ القصص: ۷۶، ۷۸ ۲۷ سورۃ المومنون: ۱۸

۲۸ البخاری: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب انتقام الرب جل وعز من خلقہ بالقحط اذا انتہکت محارمہ۔

۲۹ الاصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد بن الفضل۔ المفردات فی غریب القرآن۔ المطبعۃ المیمنیہ بمصر ص ۲۴۱، مادۃ السلوی۔ دیکھیے، تفسیر سورۃ البقرۃ: آیت ۵۷

۳۰ سورۃ الاعراف: ۱۶۰

۳۱ تلخیص سیرۃ ابن ہشام ۴۲-۵۱۔ مطبعۃ حجازی بالقاہرۃ۔ تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید ۱۹۳۷ء

۳۲ سورۃ التین: ۵، سورۃ التغابن: ۳

البخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام الشیبانی۔ ابوعبداللہ احمد بن حنبل المسند ج ۲ ص ۲۴۴، ۲۵۱، ج ۴/۶ ج ۱ ص ۴۴۱

۳۴ مسخ کے جسمانی یا عقلی ہونے میں مفسرین کا اختلاف رہا ہے۔ لیکن جمہور اس کے جسمانی ہونے کے قائل ہیں۔ تفسیر المنار ج ۹ ص ۳۷۹

۳۵ القرشی اسماعیل بن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۱

۳۶ حوالہ سابق